أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

Ayat No 1

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

Sabbaha lillaahi maa fissamaawaati wal ard; wa Huwal 'Azeezul Hakeem

(57 Al Hadeed Verse 01 الحدید ایت 57)

ترجمہ تفہیم القرآن

اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اُس چیز نے جو زمین اور آسمانوں میں ہے، 1 اور وہی زبردست دانا ہے۔ 2

All that is in the heavens and the earth extols the glory of Allah. He is the Most Mighty, the Most Wise.

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْحَدِیْد 1

یعنی ہمیشہ کائنات کی ہر چیز نے اس حقیقت کا اظہار و اعلان کیا ہے کہ اس کا خالق و پروردگار ہر عیب اور نقص اور کمزوری اور خطا اور برائی سے پاک ہے۔ اس کی ذات پاک ہے، اس کی صفات پاک ہیں، اس کے افعال پاک ہیں، اور اس کے احکام بھی، خواہ وہ تکوینی احکام ہوں یا شرعی، سراسر پاک ہیں۔ یہاں سَبَّحَ صیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے، اور بعض دوسرے مقامات پر یُسَبِّحُ صیغہ مضارع استعمال ہوا ہے جس میں حال اور مستقبل دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمیشہ اپنے خالق و رب کی پاکی بیان کرتا رہا ہے، آج بھی کر رہا ہے، اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔

اصل الفاظ ہیں هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ لفظ هوَ کو پہلے لانے سے خود بخود حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ وہ عزیز اور حکیم ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہی ایسی ہستی ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ عزیز کے معنی ہیں ایسا زبردست اور قادر و قاہر جس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی، جس کی مزاحمت کسی کے بس میں نہیں ہے، جس کی اطاعت ہر ایک کو کرنی ہی پڑتی ہے خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے، جس کی نافرمانی کرنے والا اس کی پکڑ سے کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا۔ اور حکیم کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی تخلیق، اس کی تدبیر، اس کی فرمانروائی، اس کے احکام، اس کی ہدایات، سب حکمت پر مبنی ہیں۔ اس کے کسی کام میں نادانی اور حماقت و جہالت کا شائبہ تک نہیں ہے۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور بھی ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ قرآن مجید میں کم ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ قوی، مقتدر، جبار اور ذو انتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن سے محض اس کے اقتدار مطلق کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ صرف ان مواقع پر ہوا ہے جہاں سلسلہ کلام اس بات کا متقاضی تھا کہ ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جائے۔ اس طرح کے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے عزیز کا لفاظ استعمال کیا گیا ہے، وہاں اس کے ساتھ حکیم، علیم، رحیم، غفور، وہاب اور حمید میں سے کوئی لفظ ضرور لایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو جسے بے پناہ طاقت حاصل ہو مگر اس کے ساتھ وہ نادان ہو، جاہل ہو، بے رحم ہو، درگزر اور معاف کرنا جانتی ہی نہ ہو، بخیل ہو، اور بدسیرت ہو تو اس کے اقتدار کا نتیجہ ظلم کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم ہو رہا ہے اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ جس شخص کو دوسروں پر بالاتری حاصل ہے وہ یا تو اپنی طاقت کو نادانی اور جہالت کے

ساتھ استعمال کر رہا ہے، یا وہ بے رحم اور سنگدل ہے، یا بخیل اور تنگ دل ہے، یا بد خو اور بد کردار ہے، طاقت کے ساتھ ان بری صفات کا اجتماع جہاں بھی ہو وہاں کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ اس کے حکیم و علیم اور رحیم و غفور اور حمید و وہاب ہونے کا ذکر لازماً کیا گیا ہے تاکہ انسان یہ جان لے کہ جو خدا اس کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے وہ ایک طرف تو ایسا کامل اقتدار رکھتا ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک کوئی اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتا، مگر دوسری طرف وہ حکیم بھی ہے، اس کا ہر فیصلہ سراسر دانائی پر مبنی ہوتا ہے۔ علیم بھی ہے، جو فیصلہ بھی کرتا ہے ٹھیک ٹھیک علم کے مطابق کرتا ہے۔ رحیم بھی ہے، اپنے بے پناہ اقتدار کو بے رحمی کے ساتھ استعمال نہیں کرتا۔ غفور بھی ہے، اپنے زیر دستوں کے ساتھ خردہ گیری کا نہیں بلکہ چشم پوشی و درگزر کا معاملہ کرتا ہے۔ وہاب بھی ہے، اپنی رعیت کے ساتھ بخیلی کا نہیں بلکہ بے انتہا فیاضی کا برتاؤ کر رہا ہے۔ اور حمید بھی ہے، تمام قابل تعریف صفات و کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔

قرآن کے اس بیان کی پوری اہمیت وہ لوگ زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو حاکمیت (Sovereignty) کے مسئلے پر فلسفہ سیاست اور فلسفہ قانون کی بحثوں سے واقف ہیں۔ حاکمیت نام ہی اس چیز کا ہے کہ صاحب حاکمیت غیر محدود اقتدار کا مالک ہو، کوئی داخلی و خارجی طاقت اس کے حکم اور فیصلے کو نفاذ سے روکنے، یا اس کو بدلنے، یا اس پر نظر ثانی کرنے والی نہ ہو، اور کسی کے لیے اس کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔ اس غیر محدود اقتدار کا تصور کرتے ہی انسانی عقل لازماً یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ایسا اقتدار جس کو بھی حاصل ہو اسے بے عیب اور علم و حکمت میں کامل ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر اس اقتدار کا حامل نادان، جاہل، بے رحم، اور بد خو ہو تو اس کی حاکمیت سراسر ظلم و فساد ہو گی۔ اسی لیے جن فلسفیوں نے کسی انسان، یا انسانی ادارے، یا انسانوں کے مجموعے کو حاکمیت کا حامل قرار دیا ہے ان کو یہ فرض کرنا پڑا ہے کہ وہ غلطی سے مبرا ہو گا۔ مگر ظاہر ہے کہ نہ تو غیر محدود حاکمیت فی الواقع کسی انسانی اقتدار کو حاصل ہو سکتی ہے، اور نہ یہی ممکن ہے کہ کسی بادشاہ، یا

پارلیمنٹ، یا قوم، یا پارٹی کو ایک محدود دائرے میں جو حاکمیت حاصل ہو اسے وہ بے عیب اور بے خطا طریقے سے استعمال کر سکے۔ اس لیے کہ ایسی حکمت جس میں نادانی کا شائبہ نہ ہو اور ایسا علم جو تمام متعلقہ حقائق پر حاوی ہو، سرے سے پوری نوع انسانی ہی کو حاصل نہیں ہے کجا کہ وہ انسانوں میں سے کسی شخص یا ادارے یا قوم کو نصیب ہو جائے۔ اور اسی طرح انسان جب تک انسان ہے اس کا خود غرضی، نفسانیت، خوف، لالچ، خواہشات، تعصب، اور جذباتی رضا و غضب اور محبت و نفرت سے بالکل پاک اور بالاتر ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔ ان حقائق کو اگر کوئی شخص نگاہ میں رکھ کر غور کرے تو اسے محسوس ہو گا کہ قرآن اپنے اس بیان میں درحقیقت حاکمیت کا بالکل صحیح اور مکمل تصور پیش کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "عزیز" یعنی اقتدار مطلق کا حامل اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، اور اس غیر محدود اقتدار کے ساتھ وہی ایک ہستی ایسی ہے جو بے عیب ہے، حکیم و علیم ہے، رحیم و غفور ہے اور حمید و وہاب ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

یہ ایک طے شدہ اور نہایت ہی اشاراتی مطلع اور آغاز کلام ہے جو براہ راست دلوں کو اپنی گرفت میں لیتا ہے اور انہیں خوب جھنجھوڑتا ہے، خوب دباتا ہے اور ان کو لے کر ہر طرف گھماتا ہے۔ اس کائنات کی سیر کراتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے۔ یہ دل اللہ ہی کو محسوس کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ ان کی نظر نہیں آتی۔ اللہ کے سوا کوئی جائے فرار نظر نہیں آتی۔ اللہ کے دائرہ علم سے وہ نہیں نکل سکتے۔ اللہ کی طرف رجوع کے سوا کوئی جائے فرار نہیں ہے اور جہاں بھی وہ جاتے ہیں اللہ کا وجہ کریم نظر آتا ہے۔

اس مطلع میں خصائص ربوبیت پر بحث کی گئی ہے جو اس کائنات میں فعال، موثر اور اس کی خالق ہے۔ ہر چیز کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ ہر چیز پر وہ محیط ہے۔ ہر چیز کی علیم ہے۔ یہ ذات اس پوری کائنات کی پدیا

کرنے والی ہے۔انسان کے دلوں کے رازوں کو جاننے والی ہے۔دلوں کے خفیہ رازوں کو جانتی ہے اور وہ اس پوری کائنات اور پوری انسانیت کی نگران ہے۔

اس سورۃ کا آغاز یوں تعریف ذات باری سے ہوتا ہے اور یہ پوری کائنات اللہ کی تسبیح کرنے لگتی ہے۔زمین و آسمان کی ہر چیز گنگنا رہی ہے اہر ہر دل جو ہدایت کے لئے کھلا ہے، وہ اسے خود سن رہا ہے۔اگر اس پر حجاب پڑا ہوا نہ ہو۔اس آیت کو اپنے ظاہر مفہوم سے بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ایسا ہی ہے اور ہم اس کائنات کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے، اس لئے اللہ جو کچھ فرماتا ہے اس کائنات کے خصائص بعینہ ویسے ہیں جس طرح ہمیں اللہ نے بتائے ہیں۔

سبح للہ.....والارض (0:75) تو اس کے معنی یہی ہیں کہ ''اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو زمین اور آسمانوں میں ہے''اس لئے اس میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہیں ہے۔لہٰذا ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اس کی ایک روح ہے اور یہ روح کائنات اپنے خالق کی تسبیح کرتی ہے اور یہی وہ مفہوم ہے جس کی تصدیق صحیح آثار و احادیث میں بیان کی گئی ہے۔جیسا کہ بعض اہل دل کے تجربات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں جس وقت یہ دل اپنی صفائی اور اشراق کی حالت میں ہوتے ہیں اور وہ اس حقیقت سے متصل اور مربوط ہو جاتے ہیں جو اشیاء میں چھپی ہوتی ہے جو ان تمام چیزوں اور ان کی شکلوں کے پیچھے ہے یعنی روح کائنات۔

قرآن کریم میں ہے۔

یا جبال.....والطیر لہٰذا پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد کے لئے یکساں تھے اور حدیث میں آیا ہے امام مسلم نے جابر ابن سمرہ کی روایت نقل فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان بمکہ حجرا کان لیسلم علی لیالی بعثت و انی لاعرفہ الان ''مکہ میں ایک پتھر ہے جو مجھ پر ان دنوں سلام کہتا تھا جب مجھے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور وہ مجھے اب بھی معلوم ہے۔''

امام ترمذی نے اپنی سند سے، حضرت علی ابن ابو طالب سے روایت کی ہے ''میں رسول اللہ کے ساتھ مکہ میں تھا ، ہم مکہ کے اطراف میں سے ایک طرف میں نکل گئے۔ رسول اللہ کے سامنے جو درخت اور پتھر پہاڑ بھی آیا اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ '' کہا اور امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس ابن مالک سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ایک کھجور کے تنے کے پہلو میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے حضور کے لئے منبر بنا لیا اور حضور نے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو کھجور کے تنے نے اس طرح فریاد کی جس طرح اونٹنی فریاد کرتی ہے۔ رسول اللہ منبر سے اترے اور اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔

اس حقیقت کے اظہار میں خود قرآن کی آیات صریح ہیں۔

الم تران ..... و تسبیحہ (14:42) ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اڑ رہے ہیں؟ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے۔'' اور دوسری جگہ ہے۔

الم تران اللہ ..... من الناس (81:22) ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے آگے سر بسجود ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں ، سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان۔''

وان من ..... تسبیحھم ''کوئی چیز ایسی نہیں ہے اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔'' لہٰذا اس قسم کی نصوص کی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خصوصاً اس مقصد کے لئے کہ ہم ان آیات کو ایسے اصول موضوعہ کے ساتھ موافق کر دیں جو قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں۔ اس لئے

کہ اس دنیا کے تمام موضوعات کو اس قرآن کے ساتھ مطابق ہونا چاہئے جو یقینا خالق کی طرف نازل ہوا ہے اور ہمارے بنائے ہوئے اصول شکی ہیں اور ہمارے بنائے ہوئے ہیں۔

وھو.....الحکیم(1:75)(اور وہی زبردست اور دانا ہے۔)زمین وآسمان کی مخلوقات اس کی تسبیح اس لئے کرتی ہے کہ وہ زبردست اور دانا ہے اور اس کی حکمت انتہائی حکمت ہے فائنل ہے وہ اپنی قوت قاہرہ کے ذریعہ تمام اشیاء پر حاوی ہے اور اس نے ہر چیز کو اپنی حکمت کے مطابق تخلیق کیا ہے۔

ابھی اس افتتاحی آیت کا فیض عام جاری تھا اور ہم پوری کائنات کے ساتھ جشن تسبیح میں مصروف تھے کہ سیاق کلام میں کائنات بالا کا ایک نیا سفر شروع ہو گیا۔

Ayat No 2

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٢

Lahoo mulkus samaawaati wal ard; yuhyee wa yumeet; wa Huwa 'alaa kulli shai'in Qadeer

(57 الحدید ایت 02 *Al Hadeed Verse* 57)

ترجمہ تفہیم القرآن

زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک وہی ہے، زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے، اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

His is the dominion of the heavens and the earth. He gives life and causes death, and He has power over everything.

لہ ملک.....قدیر(2:75)''زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک وہی ہے، زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

آسمان اور زمین کی ہر چیز نے تسبیح کی ہے اللہ کی، جو مالک سموت والارض ہے اور اس کی ملکیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ پس یہ تسبیح ہے از جانب غلام بحق آقا۔ یہ مالک کوئی دنیاوی مالک نہیں ہے۔ یہ تو موت وحیات کا بھی مالک ہے۔ وہ موت وحیات کا بھی خالق ہے۔ اس نے ہر زندہ کے لئے حیات اور ہر مرنے والے کے لئے موت مقدر کردی ہے۔ لہٰذا حیات و ممات اس کی تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں۔

حیات ابھی تک تو راز ہے اس کا سرچشمہ بھی اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ آج تک کوئی اللہ کے سوا اور کوئی سرچشمہ حیات نہیں بتا سکا نہ کوئی اس کی کیفیت آمد بتا سکا ہے اور یہ تو بڑی باتیں ہیں آج تک انسان حیات و ممات کی حقیقت ہی نہیں سمجھ سکے کہ یہ کیا ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ ہی حیات دیتا ہے۔ ہر زندہ چیز کو حیات اللہ ہی دیتا ہے۔ کوئی شخص آج تک اس کا انکار نہیں کر سکا اور نہ اس کی ضد کو ثابت کر سکا ہے۔ اس طرح موت بھی ایک راز ہے جس کے اوپر پردے ہیں۔ کوئی شخص موت کی طبیعت اور ماہیت کو بھی نہیں جانتا۔ کوئی شخص موت کو پیدا نہیں کرتا کیونکہ جو حیات نہیں دے سکتا وہ اسے سلب بھی نہیں کر سکتا۔ یہ سب چیزیں اللہ کی ملکیت مطلقہ ہیں۔ اس لئے زمین و آسمان میں جو چیزیں بھی ہیں ان کی حیات بھی وہی دیتا ہے اور ان کو ممات بھی وہی دیتا ہے۔

وھو.....قدیر(2:75)''اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' وہ ہر چیز پر قادر ہے بغیر حدود و قیود کے۔ اس کی مشیت مطلق ہے کسی حد و قید کے اندر محدود و مقید نہیں ہے۔ اس کی مشیت کا رابطہ ہر چیز سے ہوتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے، ہوتا ہے۔ انسانی عقل اللہ کی قدرت پر اگر کوئی بندش لگاتی ہے خواہ جس رنگ میں ہو اور جس قسم کی ہو، جس انداز کی ہو وہ باطل ہے۔ وہ عقل بشری کی پیدا کردہ سوچ ہے جو بذات خود محدود ہے۔ اور اللہ کی مشیت نے اس کائنات کے لئے جو قوانین قدرت اور نوامیس فطرت مقرر کیے ہیں۔ وہ اللہ کی مشیت مطلقہ میں داخل ہیں کہ وہ بلا حدود

وقیود کام کر رہی ہے۔ کیونکہ اللہ کی مشیت ان نوامیس فطرت کو آزادی سے اختیار کرتی ہے۔ اور ان قوانین قدرت کو اللہ کبھی کبھی توڑتا بھی ہے۔

قرآن کریم نے اس نکتے کو بہت اہمیت دی ہے۔ بار بار اس بات کی تصریح کی جاتی ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہاں تک کہ وہ خود اپنے بنائے ہوئے قوانین قدرت کے اجراء کو بھی روک سکتا ہے۔ تاکہ یہ حقیقت واضح ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اس میں کسی شے کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اللہ نے اہل جنت کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور اہل جہنم کے ساتھ یہ وعدہ کیا کہ وہ جہنم میں رہیں گے اور یہ وعدہ اللہ کی مشیت کے نتیجے میں صادر ہوا ہے لیکن اللہ نے اپنی آزادی کو اس عہد کے دائرے سے ہی خارج رکھا ہے اور مستثنیٰ کیا ہے۔ اس لئے اللہ نے فرمایا۔

خلدین ..... ماشاء اللہ ''وہ اس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں الا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔'' جہاں بھی اس قسم کی بات آئی وہاں الا ماشاء اللہ کے الفاظ آئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ خود اپنے فیصلوں کا پابند نہیں ہے۔ اس سلسلے میں عقلی گھوڑے دوڑانا جائز نہیں ہے۔ قرآن ہی اصل سرچشمہ ہے۔

اس آیت کے ذریعہ اس پوری کائنات پر اللہ کے اقتدار اعلیٰ اور مطلق مشیت کو ثابت کیا گیا ہے چونکہ وہ قادر مطلق ہے اس لئے اس کی تسبیح بھی ہر چیز کرتی ہے۔ اللہ کے اقتدار بے قید ثبوت اور اس کے فیضان عام سے اس کائنات کے جام جام کو لبالب کر دینے کے بعد اب ایک دوسری عظیم حقیقت سامنے لائی جاتی ہے۔ یہ کہ اللہ کے سوا باقی چیزوں کا وجود ہی اصلی نہیں ہے۔ موجود و حقیقی اور واجب الوجود صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی تمام عالم کو محیط ہے اور وہی ہر چیز کا علیم ہے۔

Ayat No 3

هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝٣

Huwal Awwalu wal'Aakhiru waz Zaahiru wal Baatinu wa huwa bikulli shai'in Aleem

(57 Al Hadeed Verse 03 الحدید ایت 57)

ترجمہ تفہیم القرآن

وہی اوّل بھی ہے اور آخر بھی، اور ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی، 3 اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے

He is the First and the Last, and the Manifest and the Hidden, and He has knowledge of everything.

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْحَدِیْد 3

یعنی جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور جب کچھ نہ رہے تو وہ رہے گا۔ وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے، کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے۔ اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے، کیونکہ حواس سے اس کی ذات کو محسوس کرنا تو درکنار، عقل و فکر و خیال تک اس کی کنہ و حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ اس کی بہترین تفسیر نبی ﷺ کی ایک دعا کے یہ الفاظ ہیں جنہیں امام احمد، مسلم، ترمذی، اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے اور حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے

- انت الاول فلیس قبلك شیء تو ہی پہلا ہے، کوئی تجھ سے پہلے نہیں
- وانت الاٰخر فلیس بعدك شیء تو ہی آخر ہے، کوئی تیرے بعد نہیں

- و انت الظاهر فليس فوقك شيءٍ تو ہی ظاہر ہے کوئی تجھ سے اوپر نہیں
- و انت الباطن فليس دونك شيءٍ تو ہی باطن ہے، کوئی تجھ سے مخفی تر نہیں

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اہل جنت اور اہل دوزخ کے لیے خلود اور ابدی زندگی کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ یہ بات کیسے نبھ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر ہے، یعنی جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا؟ اس کا جواب خود قرآن مجید ہی میں موجود ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص۔ 88) یعنی "ہر چیز فانی ہے اللہ کی ذات کے سوا"۔ دوسرے الفاظ میں ذاتی بقا کسی مخلوق کے لیے نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز باقی ہے یا باقی رہے تو وہ اللہ کے باقی رکھنے ہی سے باقی ہے۔ اور اس کے باقی رکھنے ہی سے باقی رہ سکتی ہے، ورنہ بذات خود اس کے سوا سب فانی ہیں۔ جنت اور دوزخ میں کسی کو خلود اس لیے نہیں ملے گا کہ وہ بجائے خود غیر فانی ہے، بلکہ اس لیے ملے گا کہ اللہ اس کو حیات ابدی عطا فرمائے گا۔ یہی معاملہ فرشتوں کا بھی ہے کہ وہ بذات خود غیر فانی نہیں ہیں۔ جب اللہ نے چاہا تو وہ وجود میں آئے، اور جب تک وہ چاہے اسی وقت تک وہ موجود رہ سکتے ہیں۔

تفسیر فی ظلال القرآن

هوالاول.....علیم (3:75) "وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، اور ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔" وہ اول یوں ہے کہ اس سے ماقبل کوئی چیز نہیں ہے۔ آخر یوں ہے کہ اس کے بعد کوئی چیز نہ ہو گی وہ ظاہر ہے یعنی اس کے اوپر کوئی چیز نہیں ہے اور وہ باطن ہے یعنی اس سے نیچے کوئی شیئ نہیں ہے۔

اول اور آخر کے الفاظ حقیقت زمانیہ کا استیعاب کرتے ہیں اور ظاہر اور باطن حقیقت مکانیہ کا استیعاب کرتے ہیں۔ مطلقاً ہر زمانے میں وہ موجود ہے اور مطلقاً ہر مکان میں وہ موجود ہے۔ اور کسی زمان و مکان میں قید نہیں ہے۔ اس تصور کے مطابق صرف وہی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے اور ہمارا قلب اور ہمارا تصور بھی اسی

سے وجود اخذ کرتا ہے۔ لہٰذا وجود الٰہی ہی حقیقی وجود ہے اور اللہ ہی حق ہے اور اللہ ہی حقیقت ہے اور کوئی حقیقت ہے تو وہ اللہ سے مستعاد ہے۔ نہ کسی اور کے پاس ذاتی حقیقت ہے اور نہ ذاتی وجود ہے، اس پوری کائنات میں۔

وھو.....علیم (3:75) ''اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔'' وہ حقیقی اور کامل علم رکھتا ہے۔ اس لئے کہ تمام اشیاء کی حقیقت تو ادھر ہی سے آئی ہوئی ہے لہٰذا اللہ کے ذاتی علم میں ہے۔ اور اللہ کا علم ایسا ہے کہ اس کی حقیقت، اس کی نوعیت اور اس کی صفات میں کوئی بھی شریک نہیں۔ کسی اور کے پاس ایسا علم نہیں ہے۔ چاہے مخلوق کو جس قدر ظاہری معلومات بھی ہوں۔

جب کسی دل میں یہ حقیقت بیٹھ جاتی ہے تو اسے پھر اللہ کی ذات کے سوا کسی اور چیز کی پرواہ ہی نہیں رہتی۔ کوئی چیز یہاں تک کہ انسانی قلب و عقل کوئی حقیقت اور کوئی وجود نہیں رکھتے مگر وہی جو اس حقیقت کبریٰ نے عطا کیا ہوتا ہے۔ ہر چیز وہم ہے، جانے والی ہے۔ صرف اللہ ہی باقی رہنے والا ہے۔ اور وہی ایک حقیقی وجود ہے۔

جب کوئی دل اس حقیقت کو اپنے اندر بٹھالے تو وہ اس حقیقت تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔ وہ ایک نہایت ہی بلند مرتبہ سکون و قرار تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن جب تک وہ اس رتبہ حصول الی الحقیقت پر فائز نہیں ہو جاتا اسے چاہئے کہ وہ اس آیت پر تدبر کرتا رہے اور یہ کوشش کرتا رہے کہ وہ اس کے مدلول اور حقیقت تک پہنچ جائے، اس آیت کا مفہوم ہی بڑی حقیقت ہے۔

اہل تصوف نے اسی حقیقت، عظیم حقیقت کو پکڑ لیا۔ انہوں نے اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور اس میں انہوں نے کئی کئی راتے نکالے۔ بعض نے کہا کہ وہ اس کائنات کی ہر چیز میں اللہ کو دیکھتے ہیں۔ بعض نے کہا انہوں نے دیکھا کہ ہر چیز کے پیچھے اللہ کھڑا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس نے اللہ کو دیکھا ہے اور اس کائنات میں تو اسے اللہ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر ہم الفاظ کی کمی بیشی اور الفاظ کی تنگ دامانی کو نظر انداز کر دیں تو یہ سب اقوال اسی

حقیقت کی طرف اشارہ کررہے ہیں، لیکن متصوفین پر جو تنقید کی جاسکتی ہے۔ وہ صرف یہ ہے انہوں نے اس تصور کو اپنے اوپر اس قدر طاری کر دیا ہے کہ عملی زندگی کو مہمل کر دیا۔ جبکہ اسلام کا متوازن انداز یہ تھا کہ انسان کے دل ودماغ اس حقیقت کو اخذ کریں، اس کے اندر رہیں اور بسیں لیکن وہ اس کرہ ارض پر فریضہ خلافت بھی ادا کریں جس کے لئے اللہ نے ان کی تخلیق کی ہے۔ اور اس کے تمام تقاضے پورے کریں جن میں سے بڑی چیز یہ ہے کہ وہ اس کائنات میں وہ نظام زندگی قائم کریں جو اللہ نے اس قرآن میں نازل فرمایا ہے۔ اس خیال سے کہ اس عظیم حقیقت کے تصور ہی کے مطابق اس دنیا میں انسان کو اپنی زندگی بسر کرنی ہے۔ یہ نظام فطرت انسانی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ کائنات کی فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہے جس طرح اللہ نے اسے پیدا کیا ہے اور جس طرح اس نے قرآن کو بطور ہدایت نامہ بھیجا ہے۔

اس عظیم حقیقت کو قلب میں بٹھانے کے بعد اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس حقیقت کبریٰ کا ظہور اس کائنات میں کیونکر ہوا؟

Ayat No 4

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۴

Huwal lazee khalaqas samaawaati wal arda fee sittati ayyaamin summas tawaa 'alal 'Arsh; ya'lamu maa yaliju filardi wa maa yakhruju minhaa wa maa yanzilu minas samaaa'i wa maa ya'ruju feeha wa Huwa ma'akum ayna maa kuntum; wallaahu bimaa ta'maloona Baseer

(57 الحدید ایت 04 Al Hadeed Verse 57)

ترجمہ تفہیم القرآن

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا۔4 اُس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے۔ 5 وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔6 جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے

He it is Who created the heavens and the earth in six days and then established Himself on the Throne. He knows all that enters the earth and all that comes forth from it, and all that comes down from the heaven and all that goes up to it. He is with you wherever you are. Allah sees all that you do.

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْحَدِیْد 4

یعنی کائنات کا خالق بھی وہی ہے اور فرمانروا بھی وہی

(مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حواشی 41۔ 42 یونس، حاشیہ 4۔ الرعد، حواشی 2 تا 5۔ جلد چہارم، حٰم السجدہ، حواشی 11 تا 15)۔

سورۃ الْاَعْرَاف 41

خدا کے استواء علی العرش (تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہونے) کی تفصیلی کیفیت کو سمجھنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے بعد کسی مقام کو اپنی اس لا محدود سلطنت کا مرکز قرار دے کر اپنی تجلیات کو وہاں مرتکز فرما دیا ہو اور اسی کا نام عرش ہو جہاں سے سارے عالم پر موجود اور قوت کا فیضان بھی ہو رہا ہے اور تدبیر امر بھی فرمائی جا رہی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرش سے مراد اقتدار فرماں

روائی ہو اور اس پر جلوہ فرما ہونے سے مراد یہ ہو کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کر کے اس کی زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ بہر حال استواء علی العرش کا تفصیلی مفہوم خواہ کچھ بھی ہو، قرآن میں اس کے ذکر کا اصل مقصد یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض خالق کائنات ہی نہیں ہے بلکہ مدبّر کائنات بھی ہے۔ وہ دنیا کو وجود میں لانے کے بعد اس سے بے تعلق ہو کر کہیں بیٹھ نہیں گیا ہے بلکہ عملاً وہی سارے جہان کے جزو کل پر فرماں روائی کر رہا ہے۔ سلطانی و حکمرانی کے تمام اختیارات بالفعل اس کے ہاتھ میں ہیں ہر چیز اس کے امر کی تابع ہے، ذرّہ ذرّہ اس کے فرمان کا مطیع ہے اور موجودات کی قسمتیں دائماً اُس کے حکم سے وابستہ ہیں۔ اس طرح قرآن اس کی بنیادی غلط فہمی کی جڑ کاٹنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے انسان کبھی شرک کی گمراہی میں مبتلا ہوا ہے اور کبھی خود مختیاری و خود سری کی ضلالت میں۔ خدا کو کائنات کے انتظام سے عملاً بے تعلق سمجھ لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنی قسمت کو دوسروں سے وابستہ سمجھے اور ان کے آگے سر جھکا دے، یا پھر اپنی قسمت کا مالک خود اپنے آپ کو سمجھے اور خود مختار بن بیٹھے۔

یہاں ایک اور بات اور قابل توجہ ہے۔ قرآن مجید میں خدا اور خلق کے تعلق کو واضح کرنے کے لیے انسانی زبان میں سے زیادہ تر وہ الفاظ، مصطلحات، استعارے اور انداز بیان انتخاب کیے گئے ہیں جو سلطنت و بادشاہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ طرز بیان قرآن میں اس قدر نمایاں ہے کہ کوئی شخص جو سمجھ کر قرآن کو پڑھتا ہو اسے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض کم فہم ناقدین کے معکوس دماغوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ کتاب جس عہد کی ''تصنیف'' ہے اس زمانہ میں انسان کے ذہن پر شاہی نظام کا تسلط تھا اس لیے مصنف نے (جس سے مراد ان ظالموں کے نزدیک محمد ﷺ ہیں) خدا کو بادشاہ کے رنگ میں پیش کیا۔ حالانکہ دراصل قرآن جس دائمی و ابدی حقیقت کو پیش کر رہا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں پادشاہی (Sovereignity) جس شے کا نام ہے وہ اسی ذات کے لیے خاص ہے، اور حاکمیت صرف ایک ذات کی ہے، اور یہ نظام کائنات ایک کامل مرکزی نظام ہے جس میں تمام اختیارات کو وہی ایک ذات استعمال

کر رہی ہے، لہذا اس نظام میں جو شخص یا گروہ اپنی یا کسی اور کی جزوی یا کُلّی حاکمیت کا مدعی ہے وہ محض فریب میں مبتلا ہے۔ نیز یہ کہ اس نظام کے اندر رہتے ہوئے انسان کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا رویہ صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسی ایک ذات کو مذہبی معنوں میں واحد معبود بھی مانے اور سیاسی و تمدنی معنوں میں واحد سلطان بھی تسلیم کرے۔ (Sovereign)

سورۃ الْاَعْرَاف 42

یہ اسی مضمون کی مزید تشریح ہے جو ''استواء علی العرش'' کے الفاظ میں مجملاً بیان کیا گیا تھا۔ یعنی یہ کہ خدا محض خالق ہی نہیں آمر اور حاکم بھی ہے۔ اس نے اپنی خلق کو پیدا کر کے نہ تو دوسروں کے حوالے کر دیا کہ وہ اس میں حکم چلائیں، اور نہ پوری خلق کو یا اس کے کسی حصّے کو خود مختار بنا دیا ہے کہ جس طرح چاہے خود کام کرے۔ بلکہ عملاً تمام کائنات کی تدبیر خدا کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ لیل و نہار کی گردش آپ سے آپ نہیں ہو رہی ہے بلکہ خدا کے حکم سے ہو رہی ہے، جب چاہے اسے روک دے اور جب چاہے اس کے نظام کو تبدیل کر دے۔ سورج اور چاند اور تارے خود کسی طاقت کے مالک نہیں ہیں بلکہ خدا کے ہاتھ میں بالکل مسخّر ہیں اور مجبور غلاموں کی طرح بس وہی کام کیے جا رہے ہیں جو خدا ان سے لے رہا ہے۔

سورۃ یُوْنُس 4

یعنی پیدا کر کے وہ معطل نہیں ہو گیا بلکہ اپنی پیدا کی ہوئی کائنات کے تخت سلطنت پر وہ خود جلوہ فرما ہوا اور اب سارے جہان کا انتظام عملاً اسی کے ہاتھ میں ہے۔ نادان لوگ سمجھتے ہیں خدا نے کائنات کو پیدا کر کے یونہی چھوڑ دیا ہے کہ خود جس طرح چاہے چلتی رہے، یا دوسروں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ اس میں جیسا چاہیں تصرف کریں۔ قرآن اس کے برعکس یہ حقیقت پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کی اس پوری کارگاہ پر آپ ہی حکمرانی کر رہا ہے، تمام اختیارات اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں، ساری زمام اقتدار پر وہ خود قابض ہے، کائنات کے

گوشے گوشے میں ہر وقت ہر آن جو کچھ ہو رہا ہے براہ راست اس کے حکم یا اذن سے ہو رہا ہے، اس جہان ہستی کے ساتھ اس کا تعلق صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ کبھی اسے وجود میں لایا تھا، بلکہ ہمہ وقت وہی اس کا مدبر و منتظم ہے، اسی کے قائم رکھنے سے یہ قائم ہے اور اسی کے چلانے سے یہ چل رہا ہے۔

سورۃ الرَّعْد 2

بالفاظ دیگر آسمانوں کو غیر محسوس اور غیر مرئی سہاروں پر قائم کیا۔ بظاہر کوئی چیز فضائے بسیط میں ایسی نہیں ہے جو ان بے حد و حساب اجرام فلکی کو تھامے ہوئے ہو۔ مگر ایک غیر محسوس طاقت ایسی ہے جو ہر ایک کو اس کے مقام و مدار پر روکے ہوئے اور ان عظیم الشان اجسام کو زمین پر یا ایک دوسرے پر گرنے نہیں دیتی۔

سورۃ الرَّعْد 3

اس کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ اعراف 41۔ مختصر ایہاں اتنا اشارہ کافی ہے کہ عرش (یعنی سلطنت کائنات کے مرکز) پر اللہ تعالیٰ کی جلوہ فرمائی کو جگہ جگہ قرآن میں جس غرض سے بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو صرف پیدا ہی نہیں کر دیا ہے بلکہ وہ آپ ہی اس سلطنت پر فرمانروائی کر رہا ہے۔ یہ جہان ہست و بود کوئی خود بخود چلنے والا کارخانہ نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے جاہل خیال کرتے ہیں، اور نہ مختلف خداؤں کی آماج گاہ ہے، جیسا کہ بہت سے دوسرے جاہل سمجھے بیٹھے ہیں، بلکہ یہ ایک باقاعدہ نظام ہے جسے اس کا پیدا کرنے والا خود چلا رہا ہے۔

سورۃ الرَّعْد 4

یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ مخاطب وہ قوم ہے جو اللہ کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ اس کے خالق ہونے کی منکر تھی، اور نہ یہ گمان رکھتی تھی کہ یہ سارے کام جو یہاں بیان کیے جا رہے ہیں، اللہ کے سوا کسی اور کے ہیں۔ اس لیے بجائے خود اس بات پر دلیل لانے کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ واقعی اللہ ہی نے آسمانوں کو قائم کیا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو ایک ضابطے کا پابند بنایا ہے۔ بلکہ ان واقعات کو، جنہیں مخاطب خود ہی مانتے تھے، ایک دوسری بات پر دلیل قرار دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس نظام کائنات میں صاحب اقتدار نہیں ہے جو معبود قرار دیے جانے کا مستحق ہو۔ رہا یہ سوال کہ جو شخص سرے سے اللہ کی ہستی کا اور اس کے خالق و مدبر ہونے ہی کا قائل نہ ہو اسکے مقابلے میں یہ استدلال کیسے مفید ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے مقابلے میں توحید کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیتا ہے وہی دلائل ملاحدہ کے مقابلے میں وجود باری کے اثبات کے لیے بھی کافی ہیں۔ توحید کا سارا استدلال اس بنیاد پر قائم ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک ساری کائنات ایک مکمل نظام ہے اور یہ پورا نظام ایک زبردست قانون کے تحت چل رہا ہے جس میں ہر طرف ایک ہمہ گیر اقتدار، ایک بے عیب حکمت، اور بے خطا علم کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہ آثار جس طرح اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کے بہت سے فرمانروا نہیں ہیں، اسی طرح اس بات پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کا ایک فرمانروا ہے۔ نظم کا تصور ایک ناظم کے بغیر، قانون کا تصور ایک حکمران کے بغیر، حکمت کا تصور ایک حکیم کے بغیر، علم کا تصور ایک عالم کے بغیر، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خلق کا تصور ایک خالق کے بغیر صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ہٹ دھرم ہو، یا پھر وہ جس کی عقل ماری گئی ہو۔

سورۃ الرَّعْد 5

یعنی یہ نظام صرف اسی امر کی شہادت نہیں دے رہا ہے کہ ایک ہمہ گیر اقتدار اس پر فرمانروا ہے اور ایک زبردست حکمت اس میں کام کر رہی ہے، بلکہ اس کے تمام اجزا اور ان میں کام کرنے والی ساری قوتیں اس

بات پر بھی گواہ ہیں کہ اس نظام کی کوئی چیز غیر فانی نہیں ہے۔ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس کے اختتام تک وہ چلتی ہے اور جب اس کا وقت آن پورا ہوتا ہے تو مٹ جاتی ہے۔ یہ حقیقت جس طرح اس نظام کے ایک ایک جزء کے معاملے میں صحیح ہے اسی طرح اس پورے نظام کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ اس عالم طبیعی کی مجموعی ساخت یہ بتا رہی ہے کہ یہ ابدی و سرمدی نہیں ہے، اس کے لیے بھی کوئی وقت ضرور مقرر ہے جب یہ ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا عالم برپا ہو گا۔ لہٰذا قیامت، جس کے آنے کی خبر دی گئی ہے، اس کا آنا مستبعد نہیں بلکہ نہ آنا مستبعد ہے۔

سورۃ الْحَدِیْد 5

بالفاظ دیگر وہ محض کلیات ہی کا عالم نہیں ہے بلکہ جزئیات کا علم بھی رکھتا ہے۔ ایک ایک دانہ جو زمین کی تہوں میں جاتا ہے، ایک ایک پتی اور کونپل جو زمین سے پھوٹتی ہے، بارش کا ایک ایک قطرہ جو آسمان سے گرتا ہے، اور بخارات کی ہر مقدر جو سمندروں اور جھیلوں سے اٹھ کر آسمان کی طرف جاتی ہے، اس کی نگاہ میں ہے اس کو معلوم ہے کہ کونسا دانہ زمین میں کس جگہ پڑا ہے، تبھی تو وہ اسے پھاڑ کر اس میں سے کونپل نکالتا ہے اور اسے پرورش کر کے بڑھاتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ بخارات کی کتنی کتنی مقدار کہاں کہاں سے اٹھی ہے اور کہاں پہنچی ہے، تبھی تو وہ ان سب کو جمع کر کے بادل بناتا ہے اور زمین کے مختلف حصوں پر بانٹ کر ہر جگہ ایک حساب سے بارش برساتا ہے۔ اسی پر ان دوسری تمام چیزوں کی تفصیلات کو قیاس کیا جا سکتا ہے جو زمین میں جاتی اور اس سے نکلتی ہیں اور آسمان کی طرف چڑھتی اور اس سے نازل ہوتی ہیں۔ ان سب پر اللہ کا علم حاوی نہ ہو تو ہر چیز کی علیٰحدہ علیٰحدہ تدبیر اور ہر ایک کا انتہائی حکیمانہ طریقہ سے انتظام کیسے ممکن ہے۔

سورۃ الْحَدِیْد 6

یعنی کسی جگہ بھی تم اس کے علم، اس کی قدرت، اس کی فرمانروائی اور اس کی تدبیر وانتظام سے باہر نہیں ہو۔ زمین میں، ہوا میں، پانی میں، یا کسی گوشہ تنہائی میں، جہاں بھی تم ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم کہاں ہو۔ وہاں تمہارا زندہ ہونا بجائے خود اس کی علامت ہے کہ اللہ اسی جگہ تمہاری زندگی کا سامان کر رہا ہے۔ تمہارا دل اگر دھڑک رہا ہے۔ تمہارے پھیپھڑے اگر سانس لے رہے ہیں، تمہاری سماعت اور بینائی اگر کام کر رہی ہے تو یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ کے انتظام سے تمہارے جسم کے سب کل پرزے چل رہے ہیں۔ اور اگر کسی جگہ بھی تمہیں موت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے بقا کا انتظام ختم کر کے تمہیں واپس بلا لینے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

هوالذی.....الصدور (6)(4:75تا6)

"وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔ وہی زمین اور آسمان کی بادشاہی کا مالک ہے اور تمام معاملات فیصلے کے لئے اس کی طرف رجوع کئے جاتے ہیں۔ وہی رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔"

زمین وآسمان کی تخلیق کی حقیقت، عرش پر استوا کی حقیقت اور پوری مخلوقات کا احاطہ اور کنٹرول اور ان تمام اشیاء کا علم اور یہ حقیقت کہ اللہ ہر چیز کے ساتھ موجود ہے جہاں بھی وہ ہو۔ اور یہ کہ تمام امور کا مرجع اللہ کی طرف ہے، اور یہ کہ وہ اس پوری کائنات میں متصرف ہے۔ اور یہ کہ وہ دلوں کے رازوں اور سوچوں کو بھی جاننے والا ہے۔ یہ سب حقائق اسی بڑی حقیقت سے نکلے ہوئے ہیں جس کا اوپر ذکر ہوا۔ لیکن ان چیزوں کو

دوبارہ اس کائناتی جزئیات کے ساتھ متعلق کر کے ذکر کرنے کا قلب پر اثر ہوتا ہے اور اس پر قدرت الٰہیہ کا پرتو پڑتا ہے۔ یہ آسمان اور یہ زمین اور یہ عظیم کائنات جب انسانی سوچ کا مرکز بنتے ہیں تو اپنی عظمت اور جلالت کے باعث، اپنی خوبصورتی اور نظام کے باعث، اپنے پیچیدہ نظم و نسق کے باعث، اپنی منظم حرکات کے باعث، اپنے تسلسل کی وجہ سے یہ انسانی قلب و نظر کو بے حد متاثر کرتے ہیں۔ پھر یہ مخلوقات بھی انسانوں جیسی مخلوق ہیں لہٰذا انسانی دل ان کے ساتھ ایک قسم کا انس اور محبت رکھتا ہے، جب انسان کا دل و دماغ اس عظیم کائنات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں تو فکر و نظر کی تاروں پہ ضربات پڑتی ہیں اور ان سے نئے نئے فکری زمزمے نکلتے ہیں۔ انسان ان کی طرف کان دھرتا ہے، بڑے غور سے سنتا ہے، مسحور ہو جاتا ہے۔ یہ نغمے اسے کیا پیغام دیتے ہیں کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اس نے اس کو بھی پیدا کیا ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور انسان بھی اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ ہم نے بھی اپنا وجود خالق کائنات سے لیا ہے اور تم نے بھی۔ لہٰذا اس کائنات میں صرف وہی ایک حقیقت ہے جو اہم ہے۔

یہ چھ دن کیا ہیں؟ ان کی حقیقت بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ ہمارے دنوں کی حقیقت ہی کیا ہے؟ یہ تو سورج کے سامنے زمین کی گردش محوری کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ سورج اور یہ زمین تو اللہ کے ایام کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ لہٰذا یہ وہ ایام نہیں ہیں جن میں اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ لہٰذا اس کو بھی اللہ پر چھوڑ دیں جب چاہے گا ہمیں بتا دے گا۔

اور یہ عرش الٰہی، ہم اس پر اس طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح اللہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ اللہ نے عرش پر استوا حاصل کیا تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے مراد اس کائنات پر مکمل کنٹرول ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے یہ بات واضح طور پر کہہ دی ہے کہ اللہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اس لئے کبھی ایسا نہ تھا کہ وہ کسی وقت عرش پر نہ ہو اور بعد میں

متمکن ہوا ہو۔ اور یہ بات کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے، یہ ایک ایسی بات ہے جو۔

ثم استوی.....العرش (4:75) ''پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا'' کی تشریح نہیں کرتا۔ لہٰذا اسے اس کائنات کے اقتدار اعلیٰ اور کنٹرول سے کنایہ کہنا چاہئے اور اس قسم کی تفسیر سے اس اصول کی خلاف ورزی نہیں ہوتی جو ہم نے ابھی بیان کی ہے۔ کیونکہ اس کنایہ میں ہم نے اپنا کوئی خیال پیش نہیں کیا بلکہ قرآن کی ایک طے شدہ حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مبین ہے۔ اور اس تصور کی طرف اشاہ کیا ہے جو ذات باری خود دیتا ہے۔

تخلیق اور کنٹرول اور مکمل علم کے ساتھ، یہ آیت اس حقیقت کو ایک ایسی تصویری انداز میں پیش کرتی ہے کہ قلب و نظر اس میں گم ہو جاتے ہیں، یہ تصویر بہت وسیع ہے، بلکہ یہ تصویر مسلسل حرکت میں ہے، بہ حرکت کسی بھی وقت رکتی نہیں ہے۔ یہ محض تصوراتی تصویر نہیں ہے اور نہ شعلہ خیال ہے بلکہ ایک موثر اشاراتی رنگ ہے جو انسانی دل و دماغ کے ہر پہلو کو بھر دیتا ہے، اس سے انسان کے دل دھڑکتے ہیں، خیال کی لہریں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں اور فکر کے سوتے پھوٹتے رہتے ہیں۔ ذرا غور سے پڑھئے:

یلعم.....فیھا (4:75) ''اس کے علم میں ہے جو زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے، اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے''۔ ہر لمحہ زمین کے اندر جاندار اور بے جان چیزوں کی بیشمار تعداد داخل ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ہر لحظہ زمین سے۔ لاتعد ولا تنقص زندہ اور غیر زندہ اشیاء نکلتی ہیں۔ آسمان سے جو بارشیں برستی ہیں جو شعاعیں یہاں مختلف ستاروں سے پہنچتی ہیں، شہاب ثاقب جو گرتے ہیں، فرشتے جو اترتے ہیں راز اور اقدار جو اترتی ہیں اور جو چیزیں آسمانوں میں چڑھتی ہیں، جو نظر آتی ہیں اور جو نظر نہیں آتیں جن کی تعداد کا علم صرف اللہ کو ہے۔ غرض یہ مختصر سی آیت ایک مسلسل حرکت کی طرف خیال کو

پھیرتی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہے اور ان بڑے بڑے واقعات کی طرف اشارہ کرتی ہے جن کی تعداد معلوم نہیں ہے۔ اور انسان کا خیال مسلسل اس حرکت کے ساتھ چپک جاتا ہے کیونکہ زمین میں ہر وقت چیزیں داخل ہو رہی ہیں۔ اور آسمان کی طرف ہر وقت چیزیں چڑھ رہی ہیں۔ اس طرح انسان اللہ کے علم کی وسعت سے متاثر رہتا ہے۔ جب انسان ان لاتعداد چیزوں کو دیکھتا ہے اور شمار نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی دل اس حقیقت کی طرف دائما التفات رکھے تو وہ اللہ کی معیت میں زندگی بسر کر سکتا ہے۔ وہ اس کی مملکت میں سیر کر سکتا ہے، جبکہ اس کا جسم اپنی جگہ برقرار ہو گا، وہ اس کائنات کی وادیوں کی سیر کر سکتا ہے اور وہ نہایت حساسیت اور صاف و شفاف سوچ کے ساتھ نہایت خوف و تقویٰ کی حالت میں ملکوت سماوات میں گھوم پھر سکتا ہے۔ ابھی پڑھنے والا ان خیالات کے ساتھ زمین و آسمان کی وادیوں میں گھوم رہا تھا کہ قرآن نے اس کا دامن پکڑ لیا کہ ذرا اپنی ذات کی وادی میں بھی سیر کرو، جب وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ اپنی ذات کی وادیوں میں گھومتا ہے تو باری تعالیٰ کو وہاں بھی موجود پاتا ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے وہ جانتا ہے اور وہ بہت قریب ہے شہ رگ سے بھی زیادہ !

وھو معکم.....بصیر (4:75) ''وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔'' یہ کوئی مجاز نہیں ہے، یہ ایک حقیقت ہے۔ اللہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے۔ ہر چیز کے ساتھ موجود ہے۔ ہر وقت موجود ہے۔ ہر مکان میں موجود ہے۔ وہ بندوں کے ہر عمل سے خبردار ہے اور دیکھتا ہے اگر کوئی صرف اس حقیقت کو دل میں بٹھالے تو یہ ایک عظیم حقیقت ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ ایک پہلو سے انسان کو سراسیمہ کر دیتی ہے اور ایک پہلو سے انسان کو امید اور محبت عطا کرتی ہے۔ بس یہی ایک حقیقت اگر کسی انسان کے قلب میں بیٹھ جائے تو اسے بلند کرنے اور پاک و صاف کرنے کے لئے یہ کافی ہے۔ انسان اس دنیا کی تمام دلچسپیوں اور مطلب پرستیوں سے دامن چھڑا کر اللہ کا ہو جاتا ہے اور پھر وہ ہر معاملے میں

بہت محتاط، خشیت اور خوف خدا ان سے سرشار اور ہر گندگی میں پڑنے سے رک جاتا ہے کیونکہ اس کو اللہ سے حیا آتی ہے۔اب وادی ملکوت السموات والارض کی سیر ایک دوسرے زاویہ سے۔یہ سیر ذرا اس سیر سے مختلف قسم کی ہے جو پہلے مذکور ہوئی۔

له ملك.....جب انسان میں یہ شعور پختہ ہو جائے تو پھر وہ ہر معاملے میں اللہ کی رضا دیکھتا ہے۔اپنے کاموں کے آغاز میں بھی اور انتہا میں بھی وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کی مرضی کیا ہے۔یہ شعور انسان کو غیر اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔اور ہر معاملے میں اللہ کا نیاز مند کر دیتا ہے اور اسے تنہائی میں اور سوسائٹی میں ہر جگہ اللہ کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔اس کی حرکت اور سکون، اس کا مشورہ اور اس کی سوچ سب اللہ کی نگرانی میں ہوتی ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ اسے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں اور اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

اس سورۃ کا یہ پہلا پیراگراف ایک ایسی حرکت پر ختم ہوتا ہے جو اس کائنات میں دست قدرت کا مظہر ہے، جو انسانی ضمیر کی گہرائیوں تک اترتی ہے۔

Ayat No 5

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵

Lahoo mulkus samaawaati wal ard; wa ilal laahi turja'ul umoor

(57 الحدید ایت 05 *Al Hadeed Verse* 57)

ترجمہ تفہیم القرآن

وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اور تمام معاملات فیصلے کے لیے اُسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں

His is the dominion of the heavens and the earth, and to Him are all matters referred (for judgement).

تفسیر فی ظلال القرآن

(له ملك السموات والارض والی الله ترجع الامور)(5)

یعنی اللہ تعالیٰ صرف ہر چیز سے واقف ہی نہیں ہے بلکہ عملاً تمام امور کا مرجع وماویٰ بھی وہی ہے۔ سارے امور اسی کے حکم سے جاری ہوتے ہیں اور پھر ان سب کی رپورٹ اسی کے آگے پیش ہوتی ہے۔ اس کے کارندے جملہ ہدایات کے لیے اسی سے رجوع کرتے اور اپنی کار گزاریاں اسی کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ نہ کوئی اپنی صوابدید پر کچھ کرنے کا مجاز ہے اور نہ کوئی اس کے آگے مسئولیت سے بری ہے۔

Ayat No 6

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝٦

Yoolijul laila fin nahaari wa yoolijun nahaara fil lail; wa Huwa 'Aleemum bizaatis sudoor

(57 الحدید ایت 06 Al Hadeed Verse 57)

He causes the night to pass into the day, and causes the day to pass into the night, and He fully knows all that is hidden in the breasts of people.

ترجمہ تفہیم القرآن

وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے

Believe in Allah and in His Messenger and expend of what He has entrusted to you. A great reward awaits those of you who believe and spend their wealth.

تفسیر فی ظلال القرآن

یولج اللیل.....الصدور (6:75) ”وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔“ رات کا دن میں داخل ہونا اور دن کا رات میں داخل ہونا ایک مسلسل

حرکت ہے، لیکن یہ نہایت ہی لطیف حرکت ہے، بظاہر پر سکون نظر آتی ہے۔اس کے معنی چاہے یہ ہوں کہ رات اور دن چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں، رات کا ایک حصہ دن کو دیا جاتا ہے یا دن کا ایک حصہ چھوٹا کر کے رات کو دیا جاتا ہے، یا طلوع و غروب کے وقت ان کا باہم تداخل مراد ہو، لیکن یہ ایک مسلسل لطیف حرکت ہے۔اور دلوں کے اندر ایک حرکت ہے۔اور یہ خیال کی حرکت ہے۔اور یہ ہر وقت دل میں ہوتی ہے۔دلوں والی ہے، یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔یہ انسانی شعور کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، جو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، نہایت ہی لطیف شعور ہے اور یہ شعور کہ اللہ دلوں کے لطیف ترین اور مخفی تصورات کو بھی جانتا ہے، ایک عظیم چیز ہے!

اس سورت کا یہ پہلا پیراگراف انسانی احساس کو اس قدر تیز کر دیتا ہے کہ اب وہ ہدایات لینے کے لئے تیار ہے۔ لہٰذا اب اسلامی جماعت کو حکم دیا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اور مناسب وقت میں انفاق فی سبیل اللہ کا مظاہرہ کرو۔یہ ہدایت ایسے حالات میں دی جاتی ہے کہ انسان کا اندرونی اور اس کے قلب کی طرف جانے والے تمام راستوں کے دروازے کھلے ہیں، اس کا شعور بیدار ہے، وہ سننے کے لئے بے تاب ہے۔چناچہ ایسی حالت میں یہ پکار آتی ہے۔لیکن یہ بھی اپنے اندر نہایت اثر انداز ہونے والے دلائل، اور جھنجھوڑنے والی تنبیہات کے ساتھ آتی

ہے۔

تفسیر تدبر القرآن

(یولج الیل فی النھار ویولج انھار فی الیل وھوعلیم بذات الصدور 6) یعنی یہ رات اور دن کا چکر جو چل رہا ہے نہ اپنے آپ چل رہا ہے اور نہ کوئی اور اس کو چلا رہا ہے بلکہ یہ اللہ ہی ہے جو اس کو چلا رہا ہے۔وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور نکالتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے تعاقب میں برابر سرگرم تگاپو ہیں۔

(وھوعلیم بذات الصدور)یعنی جب دن کی روشنی اور رات کی تاریکی دونوں کالانے والا وہی ہے۔ وہی دن کی روشنی نمودار کرکے رات کی عالم گیر تاریکی کو کافور اور اس کی ڈھانکی ہوئی ہر چیز کو بے نقاب کرتا ہے تو اس سے کوئی چیز کس طرح مخفی رہ سکتی ہے۔ وہ ہر مخفی سے مخفی راز یہاں تک کہ عینوں کے بھیدوں سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔

Ayat No 7

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷

Aaaminoo billaahi wa Rasoolihee wa anfiqoo mimmaa ja'alakum mustakh lafeena feehi fallazeena aamanoo minkum wa anfaqoo lahum ajrun kabeer

(57 الحدید ایت 07 *Al Hadeed Verse* 57)

ترجمہ تفہیم القرآن

ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول پر 7 اور خرچ کرو 8 اُن چیزوں میں سے جن پر اُس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ 9 جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے 10 ان کے لیے بڑا اجر ہے

Believe in Allah and in His Messenger and expend of what He has entrusted to you. A great reward awaits those of you who believe and spend their wealth.

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْحَدِیْد 7

یہ خطاب غیر مسلموں سے نہیں ہے، بلکہ بعد کی پوری تقریر یہ ظاہر کر رہی ہے کہ مخاطب وہ مسلمان ہیں جو کلمہ اسلام کا اقرار کرکے ایمان لانے والوں کے گروہ میں شامل ہو چکے تھے، مگر ایمان کے تقاضے پورے

کرنے اور مومن کا سا طرز عمل اختیار کرنے سے پہلو تہی کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینے کے ساتھ ہی فوراً ان سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے مصارف میں دل کھول کر اپنی حصہ ادا کرو، اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تم میں سے جو فتح سے پہلے جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کرے گا اس کا درجہ ان لوگوں سے بلند تر ہو گا جو بعد میں یہ خدمات انجام دیں گے۔ غیر مسلم کو دعوت ایمان دینے کی صورت میں تو پہلے اس کے سامنے ایمان کے ابتدائی تقاضے پیش کیے جاتے ہیں نہ کہ انتہائی۔ اس لیے فحوائے کلام کے لحاظ سے یہاں اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے ہو، اللہ اور اس کے رسول کو سچے دل سے مانو اور وہ طرز عمل اختیار کرو جو اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اختیار کرنا چاہیے۔

سورۃ الْحَدِیْد 8

کے الفاظ 10 اس مقام پر خرچ کرنے سے مراد عام بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا نہیں ہے، بلکہ آیت نمبر صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں اس سے مراد اس جدوجہد کے مصارف میں حصہ لینا ہے جو اس وقت کفر کے مقابلے میں اسلام کو سربلند کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں برپا تھی۔ خاص طور پر دو ضرورتیں اس وقت ایسی تھیں جن کے لیے اسلامی حکومت کو مالی مدد کی سخت حاجت درپیش تھی ایک، جنگی ضروریات۔ دوسرے، ان مظلوم مسلمانوں کو سہارا دینا جو کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر عرب کے ہر حصے سے ہجرت کر کے مدینے آئے تھے اور آ رہے تھے۔ مخلص اہل ایمان ان مصارف کو پورا کرنے کے لیے اپنی ذات پر اتنا بوجھ 10۔ برداشت کر رہے تھے جو ان کی طاقت اور وسعت سے بہت زیادہ تھا، اور اسی چیز کی داد ان کو آگے آیات میں دی گئی ہے۔ لیکن مسلمانوں کے گروہ میں بکثرت اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ ایسے 19۔ اور 18۔12 موجود تھے جو کفر و اسلام کی اس کشمکش کو محض تماشائی بن کر دیکھ رہے تھے اور اس بات کا انہیں کوئی احساس نہ تھا کہ جس چیز پر ایمان لانے کا وہ دعویٰ کر رہے ہیں اس کے کچھ حقوق بھی ان کی جان و مال پر عائد ہوتے ہیں۔

یہ دوسری قسم کے لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں۔ان سے کہا جارہا ہے کہ سچے مومن بنو اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔

سورۃ الْحَدِیْد9

اس کے دو مطلب ہیں اور دونوں ہی یہاں مراد بھی ہیں۔ایک مطلب یہ ہے کہ جو مال تمہارے پاس ہے یہ دراصل تمہارا ذاتی مال نہیں بلکہ اللہ کا بخشا ہوا مال ہے۔تم بذات خود اس کے مال نہیں ہو،اللہ نے اپنے خلیفہ کی حیثیت سے یہ تمہارے تصرف میں دیا ہے۔لہٰذا مال کے اصل مالک کی خدمت میں اسے صرف کرنے سے دریغ نہ کرو۔نائب کا یہ کام نہیں ہے کہ مالک کے مال کو مالک ہی کے کام میں خرچ کرنے سے جی چرائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ مال نہ ہمیشہ سے تمہارے پاس تھا نہ ہمیشہ تمہارے پاس رہنے والا ہے۔کل یہ کچھ دوسرے لوگوں کے پاس تھا،پھر اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا کر اسے تمہارے حوالہ کیا،پھر ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ تمہارے پاس نہ رہے گا اور کچھ دوسرے لوگ اس پر تمہارے جانشین بن جائیں گے۔اس عارضی جانشینی کی تھوڑی سی مدت میں،جبکہ یہ تمہارے قبض و تصرف میں ہے،اسے اللہ کے کام میں خرچ کرو،تاکہ آخرت میں اس کا مستقل اور دائمی اجر تمہیں حاصل ہو۔یہی بات ہے جس کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ترمذی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے ہاں ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا گیا۔آپ گھر میں تشریف لائے تو پوچھا بکری میں سے کیا باقی رہا؟حضرت عائشہ نے عرض کیا مابَقِیَ الّا کَتِفُھا "ایک شانے کے سوا کچھ نہیں بچا"فرمایا بقی کلّھا غیر کتفھا "ایک شانہ کے سوا ساری بکری بچ گئی "یعنی جو کچھ خدا کی راہ میں صرف ہوا وہی دراصل باقی رہ گیا۔ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کس صدقے کا اجر سب سے زیادہ ہے؟فرمایا اَنْ تَصَدَّقَ وانت صحیح شحیح تخشی الفقر و تأمَلُ الغِنیٰ ، ولا تُمھِل حتّیٰ اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان لفلان۔"یہ کہ تو

صدقہ کرے اس حال میں کہ تو صحیح و تندرست ہو، مال کی کمی کے باعث اسے بچا کر رکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہو اور اسے کسی کام میں لگا کر زیادہ کما لینے کی امید رکھتا ہو۔ اس وقت کا انتظار نہ کر کہ جب جان نکلنے لگے تو تو کہے کہ یہ فلاں کو دیا جائے اور یہ فلاں کو۔ اس وقت تو یہ مال فلاں کو جانا ہی ہے"۔ (بخاری و مسلم)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا یقول ابن اٰدم مالی مالی، وھل لک من مالک الا ما اکلت فافنیت، اولبست فابلیتَ ، او تصدقت فامضیت؟ وما سوی ذٰلک فذاھب وتارکہ للناس۔ "آدمی کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔ حالانکہ تیرے مال میں سے تیرا حصہ اس کے سوا کیا ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا؟ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ تیرے ہاتھ سے جانے والا ہے اور تو اسے دوسروں کے لیے چھوڑ جانے والا ہے"(مسلم)۔

تفسیر فی ظلال القرآن

یہاں اللہ تعالیٰ اب ان دلوں سے مخاطب ہے جن کو خود اس نے پیدا کیا ہے۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان دلوں میں بات داخل کرنے کی راہیں کیا ہیں۔ کیونکہ ان کے حالات سے اللہ اچھی طرح باخبر ہے۔ خفیہ ترین خیالوں سے بھی اللہ باخبر ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ دلوں میں ایمان کس طرح بیٹھتا ہے۔ دل غیر ایمانی شوائب سے کس طرح پاک ہوتا ہے اور یہ ایمان پھر کس طرح عملی زندگی میں ایک بڑے درخت کی طرح اگتا ہے، اور انسان انفاق فی سبیل اللہ اور اللہ کے راستے میں کس طرح بڑھ کر جان تک قربان کر دیتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو انسانی قوت سے بہت بڑا ہے، اور اس کے حصول کے لئے بہت بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کو تربیت دینے کے لئے اس قسم کے دلائل اور موثرات اور ہدایات دیتا ہے۔ پوری کائنات کے حقائق اس کے سامنے پیش کرتا ہے کہ حضرت انسان ان سے متاثر ہو، اور دنیا کی تمام چیزوں کو اللہ کے ترازو سے تولے اور ناپے۔ اللہ بار بار اور قدم قدم پر انسان کی تربیت کے لئے یہ انتظام فرماتا ہے۔ اور صرف یہ نہیں

کہ سیدھا سادا حکم دے دیا جائے کہ اہل ایمان درج ذیل باتوں پر عمل کر لیں۔ قرآن نہ اس قسم کا خشک سر کلر جاری کرتا ہے نہ خشک قانون بناتا ہے بلکہ وہ ہر جگہ اطمینان بخش دلائل دیتا ہے۔ ہر وقت انسانی سوچ کی تاروں کو چھیڑتا ہے۔ انسانوں کی تربیت کے لئے قرآنی انداز اور منہاج اس قابل ہے کہ اسلامی انقلاب کے داعی اس پر بہت غور کریں۔ اسے سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ اس سورت کے آغاز میں جو موثر دلائل اور اشارات دیئے گئے تھے وہ دلوں پر گہرے اثرات چھوڑنے والے تھے۔ ان کو پڑھ کر سخت سے سخت دل موم ہو جاتے ہیں اور نہایت ہی خوابیدہ اور مدہوس شعور بھی جاگ اٹھتا ہے۔ لیکن قرآن کریم انہیں دوسرے پیرے میں بھی ان کو مسلسل جھنجھوڑتا اور ایما اور تلقین جاری ہے۔ ہدایات اور ارشادات بھی جاری ہیں اور ساتھ ساتھ دلائل واشارات بھی جاری ہیں۔

امنو.....فیہ(7:75)''ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔''

یہاں اس آیت کے مخاطب مسلم ہیں بلکہ نہایت قدیم اور دور اول کے مومن ہیں۔ لیکن ان کو بھی کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور رسول اللہ پر۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے دلوں کے اندر حقیقت ایمانیہ پیدا کرو، یہ ایک گہری ہدایت ہے اور گہرا نکتہ ہے کیونکہ بلایا تو اس طرف جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں انفاق کرو، لیکن اس سے پہلے ہی یہ اشارہ دے دیا کہ اپنے دلوں کے اندر حقیقت ایمانی پیدا کرو، اور اس انفاق کے حکم کے بعد بھی ایک اشارہ اور ہدایت کہ تم جو کچھ خرچ کر رہے ہو وہ اپنے مال سے نہیں خرچ کر رہے، یہ تو اللہ کا مال ہے اور اس نے تمہاری نگرانی اور خلافت میں دے دیا ہے۔ کیونکہ ابھی تمہیں یہ سمجھایا گیا ہے کہ۔

له ملك .....والارض ''زمین وآسمان کی بادشاہت اور ملکیت اسی کی ہے۔'' یہ اللہ ہی ہے جس نے انسانوں کو اس زمین پر ایک محدود خلافت اور نیابت دی ہے۔ زندہ کرنے اور مارنے والا تو وہ ہے۔ یوں اس نے تمہیں زمین میں نسلا بعد نسل خلیفہ بنایا ہے۔

سورت کے آغاز میں جو اصولی باتیں بیان کی گئی تھیں، یہ ہدایات ان کے ساتھ مربوط ہو جاتی ہیں۔ اور یہ سب تصورات اب مل کر اہل ایمان کو قائل کرتے ہیں کہ وہ مالک جس نے تمہیں اس زمین پر، اس کے خزانوں پر خلیفہ بنایا ہے، تمہیں اس نے سب کچھ دیا ہے، بتاؤ وہ اپنی ہی دولت کا ایک حصہ تم سے مانگ رہا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا، دو گے اللہ کو کچھ، دیکھو اللہ ہی دینے والا ہے، اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔ تم کیوں ہاتھ کھینچے ہوئے ہو، یہ تو اسی کا ہے؟

فقط اس پر بھی بات ختم نہیں ہے کہ دلائل دیئے، قائل کیا اور نہایت فہمائش اور محض امید پر، بلکہ اس کے بعد ایک موثر خطاب آتا ہے کہ اس انفاق کا ایک نہایت ہی بڑا معاوضہ بھی تمہیں ملے گا۔ اس کا فضل و کرم بھی تم پر ہو گا۔

فالذین ..... کبیر (7:75) ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے لئے بڑا اجر ہے۔'' اب کون ہے جو ایمان کا دامن چھوڑ کر پیچھے رہ سکتا ہے۔ کون ہے جو انفاق سے پیچھے رہ سکتا ہے، اور کون ہے جو اپنے آپ کو اس فضل و کرم سے محروم کر سکتا ہے؟

لیکن ابھی بات یہاں بھی ختم نہیں ہے اب ان چنکیوں اور دلائل، ہدایات و اشارات کے بعد ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ وقت کو بھی دیکھو، حالات کی نزاکت کا احساس بھی کرو، اس وقت کے حالات پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ وقت کا تقاضا کیا ہے۔

Ayat No 8

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ

اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨

Wa maa lakum laa tu'minoona billaahi war Rasoolu yad'ookum li tu'minoo bi Rabbikum wa qad akhaza meesaaqakum in kuntum mu'mineen

(57 Al Hadeed Verse 08 الحدید ایت 57)

القرآن ترجمہ تفہیم

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے 11 اور وہ تم سے عہد لے چکا ہے 12 اگر تم واقعی ماننے والے ہو

How is it that you do not believe in Allah when the Messenger calls you to believe in your Lord and although he has taken a covenant from you, if indeed you are believers?

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْحَدِیْد 11

یعنی تم یہ غیر ایمانی روش اس حالت میں اختیار کر رہے ہو کہ اللہ کا رسول خود تمہارے درمیان موجود ہے اور دعوت ایمانی تمہیں کسی دور دراز واسطے سے نہیں بلکہ براہ راست اللہ کے رسول کی زبان سے پہنچ رہی ہے۔

سورۃ الْحَدِیْد 12

بعض مفسرین نے اس عہد سے مراد اللہ کی بندگی کا وہ عہد لیا ہے جو ابتدائے آفرینش میں آدمؑ کی پشت سے ان کی ذریت کو نکال کر لیا گیا تھا۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے اس سے مراد وہ عہد لیا ہے جو ہر انسان کی فطرت اور اس کی فطری عقل میں اللہ کی بندگی کے لیے موجود ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ اور اس

کے رسول کی اطاعت کا وہ شعوری عہد ہے جو ہر مسلمان ایمان لا کر اپنے رب سے باندھتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ اس عہد کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (المائدہ۔7)

یاد رکھو اس نعمت کو جو اللہ نے تم کو عطا کی ہے اور اس عہد و پیمان کو جو اللہ نے تم سے لیا ہے، جبکہ تم نے کہا "ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی" اور اللہ سے ڈرو اللہ دلوں کا حال جانتا ہے۔

حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ

بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ على السمع و الطاعة في النشاط و الكسل و على النفقة في العسر و اليُسر و على الامر بالمعروف و النهي عن المنكر و على ان نقول في الله تعالىٰ و لا نخاف لَوْمَةَ لَائِمٍ (مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ ہم چستی اور سستی، ہر حال میں سمع و طاعت پر قائم رہیں گے، خوشحالی اور تنگ حالی، دونوں حالتوں میں راہ خدا پر خرچ کریں گے، نیکی کا حکم سنیں گے اور بدی سے منع کریں گے، اللہ کی خاطر حق بات کہیں گے اور اس معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

ومالکم ..... رحیم (9)(75:8-9) "تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور وہ تم سے عہد لے چکا ہے۔ اگر تم واقعی ماننے

والے ہو۔ وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے تا کہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے،اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ ''

آخر ایمان کی راہ میں رکاوٹ کیا ہے ؟ایمان تو وہ لا چکے ہیں ایمان لانے کا حق یہاں مطلوب ہے۔ پھر دعوت ذات رسول کی طرف سے ہے، جن کے ہاتھ پر تم بیعت کر چکے ہو، پختہ وعدہ کر چکے ہو۔اور پھر آسمانوں سے آیات بینات کی پے در پے موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ یہ آیات تمہیں اندھیروں، شک اور بحرانی سے نکال رہی ہیں۔ ہدایت و یقین اور اطمینان کی روشنی تمہیں دی جا رہی ہے۔ایسے حالات میں جن میں تم پر رحمتوں کی بارشیں ہو رہی ہیں۔

نبی آخر الزمان کا کسی قوم میں موجود ہونا،ان کا اللہ کی زبان و کلام میں گفتگو فرمانا کلام اللہ پڑھ پڑھ کر دیتا ہے۔ اور یہ اس قدر عظیم نعمت ہے جس کا تصور نہ پہلے کسی نے کیا اور نہ بعد میں ہو سکے گا۔آج ہم چودہ سو سال کی دوری سے جب اسے سوچتے ہیں، تو یہ دور، وحی کا دور، حیات رسول کا دور فی الواقع عظیم نعمتوں کا دور تھا، خوشیوں کا دور تھا، نیک بختیوں کا دور تھا، کیا ہی دور تھا، اللہ جل جلالہ، بذات خود رسول اللہ کی زبانی اپنے بندوں کو بتا رہا ہے۔ نہایت رحمت، محبت اور کرم کے ساتھ، لو یہ کام کرو، دیکھو اس سے بچو، یہ ہے راہ اس پر چلو، یہ دیکھو تم غلط ہو گئے ہو، یہ ہے میری رسی اسے پکڑو اور نکل آؤ گڑھوں سے، کنوؤں سے، توبہ کرو، توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔

ایں درگہ ما درگہ ناامید نیست- صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

آؤ دور تک نہ چلے جاؤ غلط راہوں پر، میری رحمت سے مایوس نہ ہو، وہ تو اس قدر وسیع ہے کہ سب کائنات اس میں ڈوب جاتی ہے۔اسے فلاں نے یہ کہا ہے، یہ غلط ہے۔اسے فلاں تو نے یہ سوچا ہے، یہ غلط ہے۔ یہ تو گناہ ہے۔ فلاں فلاں کاموں کا تو نے ارتکاب کیا ہے یہ غلط ہے۔ آؤ، توبہ کرو اور میری رحمت میں داخل ہو جاؤ۔

اے فلاں وہ فلاں فلاں چیزیں تمہیں روک رہی ہیں ان کو اتار پھینکو، فلاں تو نے یہ سوال کیا ہے یہ ہے جواب اس کا۔ اور یہ کام جو تو نے کیا ہے اس کا یہ وزن ہے۔

یہ لوگ جو اللہ کے ساتھ رہتے ہیں، جو اس کی مخلوق ہیں، جن کو اللہ تلقین فرماتا ہے جن کے ساتھ یوں ہم کلام ہوتا ہے۔ یہ اپنے اندر تیز احساس رکھتے ہیں کہ اللہ ان کے ساتھ ہے اور وہ اللہ کے ساتھ ہیں۔ یہ حقیقت ہے اور یہ واقعہ ہے رات کی تاریکیوں میں بھی اللہ کی فریاد سن رہا ہے۔ اور ان کو قبول کرتا ہے۔ قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کی طرف متوجہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات اس شخص کی سوچ سے بھی بلند ہے جو اس کے اندر نہ رہا ہو۔ اس لئے آج ہم بھی کہہ سکتے کہ وہ یوں تھے۔ لیکن ان آیات میں سب سے پہلے جن لوگوں کو خطاب کیا گیا وہ ایسے ہی حالات میں زندہ رہے تھے۔ اور ان لوگوں کو اس قسم کی تربیت یاد دہانی اور اکساہٹ کی ضرورت تھی۔ لیکن اب اگر کوئی اس قسم کے تصور کو اپنے ذہنوں میں جمائے اور بسائے ہوئے ہے ہمارے اس گئے گزرے دور میں تو یہ اس فضل سے بھی بڑا فضل ہے۔ یہ بات زیادہ قابل قدر ہے کہ دور صحابہ سے دور پندرہویں صدی میں یہ تصور کرتا ہو۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ سے کہا کہ تمہارے نزدیک کون سا مومن قابل تعجب اور صاحب فضل و کرم ہے، تو صحابہ کرام نے فرمایا فرشتے؟ تو حضور نے فرمایا ''وہ کیونکر ایمان نہ لائیں گے وہ ہیں ہی اپنے رب کے پاس۔'' اس کے بعد انہوں نے کہا کہ پھر ''انبیائ''۔ تو آپ نے فرمایا۔ ''وہ کس طرح ایمان نہ لائیں جبکہ وحی ان پر نازل ہو رہی ہے'' اس کے بعد انہوں نے کہا کہ پھر ''ہم لوگ''۔ تو حضور نے فرمایا: ''تم کیوں ایمان نہ لاؤ، جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں؟ بلکہ ایمان کے لحاظ سے افضل ترین لوگ وہ ہیں جو تمہارے بعد ہوں گے، ان کے پاس صحیفے ہوں گے اور وہ ان کے اندر پائی جانے والی تعلیمات پر ایمان لائیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کہ صورت حال میں بہت فرق ہے۔ ان لوگوں کے ہاں ایمان کے اشارات، اسباب اور دلائل بہت زیادہ تھے۔ عجیب و غریب تھے۔ بلکہ اگر وہ ایمان نہ لاتے تو قابل تعجب بات ہوتی۔ اس کے باوجود ان سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ ایمان کو اپنے نفوس کے اندر حقیقت بناؤ، اگر مومن ہو تو۔

اب موجبات ایمان اور دلائل ایمان سے آگے، دلائل انفاق اور موجبات انفاق کی طرف، مگر قدرے تاکید کے ساتھ اور تکرار کے ساتھ۔

Ayat No 9

هُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبۡدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۹

Huwal lazee yunazzilu 'alaa 'abdiheee Aayaatim baiyinaatil liyukhrijakum minaz zulumaati ilan noor; wa innal laaha bikum la Ra'oofur Raheem

(57 الحدید ایت 09 *Al Hadeed Verse* 57)

القرآن ترجمہ تفہیم

وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے

He it is Who sends down Clear Signs to His servant so as to bring you out from darkness into light. Surely Allah is Most Kind and Most Compassionate to you.

تفسیر تدبر القرآن

هو الذی ینزل علی عبدہ ایت بینت لیخرجکم من الظلمت الی النور و ان اللہ بکم الرؤف رحیم(9-)

(انفاق تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے)۔ یعنی رسول تمہیں انفاق کی جو دعوت دے رہے ہیں اس کو گراں اور اپنے لیے نقصان رساں سمجھ کر اس سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر یہ روشن آیتیں اس لیے نازل فرما رہا ہے کہ تمہیں خواہشات نفس اور حسب دنیا کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان اور حب آخرت کی روشنی میں لائے۔ یہ نہ گمان کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نقصانات اور مشقتوں میں ڈالنا چاہتا ہے۔ وہ رئوف رحیم ہے وہ تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہبود کی راہ کھول رہا ہے نہ کہ تمہیں کسی زحمت و مشقت میں ڈال رہا ہے۔ (ایت بینت) سے مراد یوں تو وہ ساری ہی تعلیمات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے لوگوں کو مل رہی تھیں یہاں خاص طور پر ان آیات کی طرف اشارہ ہے جو انفاق و جہاد سے متعلق ہیں اور جن کا ایک حصہ آگے اس سورۃ میں بھی نہایت روشن دلائل کے ساتھ آ رہا ہے۔ (ظلمت) سے مراد شہوات نفس اور حب دنیا کی تاریکیاں ہیں جن کا واحد علاج اللہ کی راہ میں انفاق ہے اور نور سے وہ مراد ہے جو انفاق سے پیدا ہوتا ہے اور جس کا ذکر آگے آیت 21 میں آ رہا ہے۔ رئوف اور رحیم کی وضاحت انکے محل میں ہم کر چکے ہیں۔ پہلے میں دفع شر کا کا پہلو غالب ہے دوسرے میں اثبات خیر کا۔

Ayat No 10

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا
يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ
الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١٠

Wa maa lakum allaa tunfiqoo fee sabeelil laahi wa lillaahi meeraasus samaawaati wal-ard; laa yastawee minkum man anfaqa min qablil fat-hi wa qaatal; ulaaa'ika a'zamu darajatam minal lazeena anfaqoo min ba'du wa qaataloo; wa kullanw wa'ad allaahul husnaa; wallaahu bimaa ta'maloona Khabeer

(57 *Al Hadeed Verse* 10 الحدید ایت 57)

القرآن ترجمہ تفہیم

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔
13 تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی اُن لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں
نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے۔ اُن کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے
اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔14 جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔15

How is it that you do not expend in the Way of Allah when to Allah belongs the inheritance of the heavens and the earth? Those who spent their wealth and took part in fighting before the Victory cannot be equated (with those who spent their wealth and took part in fighting afterwards). They are higher in rank than those who spent and fought afterwards. But to each Allah has promised a good reward. Allah is well aware of all that you do.

سورۃ الْحَدِیْد 13

اس کے دو مطلب ہیں۔ایک یہ کہ یہ مال تمہارے پاس ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔ایک دن تمہیں لازماً اسے چھوڑ کر ہی جانا ہے اور اللہ ہی اس کا وارث ہونے والا ہے، پھر کیوں نہ اپنی زندگی میں اسے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تا کہ اللہ کے ہاں اس کا اجر تمہارے لیے ثابت ہو جائے۔نہ خرچ کرو گے تب بھی یہ اللہ ہی کے پاس واپس جا کر رہے گا،البتہ فرق یہ ہو گا کہ اس پر تم کسی اجر کے مستحق نہ ہو گے۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے تم کو کسی فقر اور تنگ دستی کا اندیشہ لاحق نہ ہونا چاہیے، کیونکہ جس خدا کی خاطر تم اسے خرچ کرو گے وہ زمین و آسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے،اس کے پاس تمہیں دینے کو بس اتنا ہی کچھ نہ تھا جو اس نے آج تمہیں دے رکھا ہے، بلکہ کل وہ تمہیں اس سے بہت زیادہ دے سکتا ہے یہی بات دوسری جگہ اس طرح فرمائی گئی ہے

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ ، وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (سبا۔39)۔

اے نبی،ان سے کہو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے،اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہی مزید رزق تمہیں دیتا ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔

سورۃ الْحَدِیْد 14

یعنی اجر کے مستحق تو دونوں ہی ہیں، لیکن ایک گروہ کا رتبہ دوسرے گروہ سے لازماً بلند تر ہے، کیونکہ اس نے زیادہ سخت حالات میں اللہ تعالیٰ کی خاطر وہ خطرات مول لیے جو دوسرے گروہ کو درپیش نہ تھے۔اس نے ایسی

حالت میں مال خرچ کیا جب دور دور کہیں یہ امکان نظر نہ آتا تھا کہ کبھی فتوحات سے اس خرچ کی تلافی ہو جائے گی، اور اس نے ایسے نازک دور میں کفار سے جنگ کی جب ہر وقت یہ اندیشہ تھا کہ دشمن غالب آ کر اسلام کا نام لینے والوں کو پیس ڈالیں گے۔ مفسرین میں سے مجاہد، قتادہ اور زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس آیت میں جس چیز کے لیے لفظ "فتح" استعمال کیا گیا ہے اس کا اطلاق فتح مکہ پر ہوتا ہے، اور عامر شعبی کہتے ہیں کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ پہلے قول کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے، اور دوسرے قول کی تائید میں حضرت ابو سعید خدری کی یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں فرمایا، عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن کے اعمال کو دیکھ کر تم لوگ اپنے اعمال کو حقیر سمجھو گے، مگر لوکان لاحدھم جبل من ذھب فانفقہ ماادرک مداحدکم ولانصیفہ۔ "ان میں سے کسی کے پاس پہاڑ برابر بھی سونا ہو اور وہ سارا کا سارا خدا کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ تمہارے دور طل بلکہ ایک رطل خرچ کرنے کے برابر بھی نہ پہنچ سکے گا" (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابو نعیم اصفہانی)۔ نیز اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد نے حضرت انس سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ دوران نزاع میں حضرت خالد نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا "تم لوگ اپنی پچھلی خدمات کی بنا پر ہم سے دوں کی لیتے ہو"۔ یہ بات جب نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا "اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم لوگ احد کے برابر، یا پہاڑوں کے برابر سونا بھی خرچ کرو تو ان لوگوں کے اعمال کو نہ پہنچ سکو گے"۔ اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے، کیونکہ حضرت خالد اسی صلح کے بعد ایمان لائے تھے اور فتح مکہ میں شریک تھے۔ لیکن اس خاص موقع پر فتح سے مراد خواہ صلح حدیبیہ لی جائے یا فتح مکہ، بہر حال اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ درجات کا یہ فرق بس اسی ایک فتح پر ختم ہو گیا ہے۔ بلکہ اصولاً اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب کبھی اسلام پر ایسا کوئی وقت آ جائے جس میں کفر اور کفار کا پلڑا بہت بھاری ہو اور بظاہر اسلام کے غلبہ کے آثار دور

دور کہیں نظر نہ آتے ہوں، اس وقت جو لوگ اسلام کی حمایت میں جانیں لڑائیں اور مال خرچ کریں ان کے مرتبے کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو کفر و اسلام کی کشمکش کا فیصلہ اسلام کے حق میں ہو جانے کے بعد قربانیاں دیں۔

سورۃ الْحَدِیْد 15

یعنی اللہ جس کو جو اجر اور مرتبہ بھی دیتا ہے یہ دیکھ کر دیتا ہے کہ کس نے کن حالات میں کس جذبے کے ساتھ کیا عمل کیا ہے۔ اس کی بانٹ اندھی بانٹ نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کا درجہ اور اس کے عمل کا اجر پوری باخبری کے ساتھ تعین کرتا ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

ومالکم.....والارض (01:75) ''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے۔'' اس میں اسی حقیقت کو دہرایا گیا ہے جو پہلے بیان ہوئی۔

لہ ملک.....الامور ''اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور تمام امور فیصلے کے لئے اللہ ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔'' اللہ کی میراث، اس کا اقتدار اعلیٰ اور بادشاہت ہے اور جس کا اقتدار اعلیٰ ہے فیصلے بھی اسی کے ہیں اور جو اختیارات اللہ نے ان کے لئے دیئے ہیں وہ سب جلدی اسی کی طرف واپس ہو جائیں گے۔ اس لئے جب اللہ تمہیں دعوت انفاق دے رہا ہے اور یہ مال تو اسی کا ہے، اور اسی نے اس میں تصرف کے اختیارات تمہیں دیئے ہیں۔ اور یہ اسی کی طرف لوٹنے والا ہے لہٰذا بخل اور کنجوسی کے لئے کوئی جواز نہیں رہتا، اس خطاب میں بس یہی حقیقت ہے۔

مٹھی بھر السابقون الاولون نے اللہ کی راہ میں جو کچھ ان کے بس میں تھا، خرچ کیا۔ یہ مہاجرین وانصار کے پاکیزہ لوگ تھے اور انہوں نے نہایت ہی مشکل دور میں یہ خرچ کیا۔ نہایت ہی شدید مشکلات کے دور میں انہوں نے مالی قربانی دی اور اس زمانے میں خرچ کیا جبکہ اسلام ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ فتح مکہ یا حدیبیہ سے قبل کے زمانے میں اسلام کے دوست اور معاون قلیل تھے۔ دشمن زیادہ تھے۔ اور اس دور میں ان لوگوں نے جو خرچ کیا اس پر ان کو کوئی دنیاوی امید اور لالچ بھی نہ تھی۔ نہ وہ خرچ کسی کو دکھانے کے لئے کرتے تھے۔ یہ سب خرچ جذبہ خیر پر مبنی تھا۔ جس خیر کو انہوں نے اختیار کر لیا تھا۔ یہ خرچ وہ اپنے اس نظریہ کے لئے کر رہے تھے جسے انہوں نے تمام دنیاوی مفادات کو چھوڑ کر اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے ڈھیر سامال خرچ کیا۔ بعض نے اس مقدار میں مال خرچ کیا جو السابقون الاولون نے فتح سے قبل کیا تھا۔ اس پر قرآن کی آیات نازل ہوئیں ان میں تصریح کی گئی۔ مقدار کے اعتبار سے تمہارا خرچ ان کے خرچ کے برابر ہو سکتا ہے یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اللہ کے ترازو میں سابقون کا خرچ قابل ترجیح ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے جس ایمانی جذبہ سے خرچ کیا اس میں فرق ہے۔

لایستوی.....وقتلوا(75:01)''تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔''ایک شخص وہ ہے جو اس وقت خرچ کرتا ہے اور جہاد کرتا ہے، جب ہر طرف سے نظریہ پر حملے ہوتے ہیں، اس نظریہ کے ماننے والے اور دوست قلیل ہیں۔ اور کسی منفعت کا کوئی نشان تک نہیں ہے۔ نہ اقتدار ہے اور نہ سہولیات ہیں، اور ایک شخص اس وقت خرچ کرتا ہے اور جہاد کرتا ہے جب نظریہ حیات پر امن ہے، اس کے انصار بہت ہیں اور نصرت، غلبہ اور فتح اور مفادات متوقع ہیں تو دونوں کے درمیان بہت فرق ہے۔ پہلا شخص صرف اللہ سے لو لگائے ہوئے ہوتا ہے، وہ مخلص ہے اور اس کے اخلاص میں شب ہے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسے اللہ پر گہرا بھروسہ ہے اور صرف اللہ پر اطمینان ہے۔ یہ

شخص اسباب ظاہری اور دنیاوی مفادات سے دور ہے۔اس کو اس خیر اور بھلائی پر صرف اس کا عقیدہ آمادہ کر رہا ہے اور یہ دوسرا شخص جو بھلائی کرتا ہے اس کے لئے اس کے نظریہ کے سوا دوسرے دواعی بھی اس نیکی پر آمادہ کرنے کے لئے ہیں۔یہاں تک کہ اس کی نیت صاف بھی ہو پھر بھی دوسرے عوامل ملحوظ ہیں۔

امام احمد نے روایت کی ہے۔احمد ابن عبدالملک سے انہوں نے زہیر سے،انہوں نے حمید الطویل سے،انہوں نے انس سے کہتے ہیں کہ حضرت خالد ابن ولید اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان کچھ باتوں کا تبادلہ ہو گیا۔ خالد نے عبدالرحمن سے کہا:''تم لوگوں پر اس لئے دست درازی کرتے ہو کہ کچھ دن تم ان سے پہلے اسلام لے آئے ہو،ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ اس بات کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا''میرے ان ساتھیوں کو چھوڑ دو،اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،کہ اگر تم احد کے برابر سونا خرچ کرو (یا کہا کہ پہاڑوں کے برابر سونا خرچ کرو) تو بھی تم ان کے اعمال تک نہیں پہنچ سکتے..... صحیح میں ہے۔

لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذہبا ما بلغ مد احدھم او نصیفہ(1)'' میرے ساتھیوں کو گالیاں نہ دو۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،اگر تم میں کوئی احد جیسا سونا خرچ کرے تو نہ ان کی مد کو پہنچ سکتا اور نہ نصف مد کو (مد پیمانہ تقریباً دو کلو)(1) معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں اصحابی کا خاص مفہوم ہے۔ان کے بارے میں حضور نے سخت تنبیہہ فرمائی ہے۔یہ لوگ دراصل سابقون اولون ہیں۔ حضور اکرم اپنے ارد گرد صحابہ اور مومنین سے کہتے تھے۔ دعوالی اصحابی '' میرے ساتھیوں کو میرے ہی لئے چھوڑ دو''اس سے صحبت خاصہ مراد ہے۔ایک بار حضرت ابو بکر صدیق کے بارے میں کہا دعوا بی صاحبی ''میرے اس ساتھی کو میرے لئے چھوڑ دو۔''

لیکن بعد میں آنے والوں کو بھی مایوس نہیں کیا گیا۔سب کے لئے اونچا مقام ہے۔اچھا وعدہ ہے۔

وکلا وعد.....الحسنی (01:75)''اور اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔''

اگرچہ ان کے درمیان درجات کے اعتبار سے تفاوت تھا لیکن وہ سب اچھے اور عدل تھے۔

لیکن یہ تفاوت، اور سب کے لئے جزائے حسن کے وعدے سب کے سب اللہ کے علم سے مشروط ہیں سب کے احوال سے اللہ اچھی طرح باخبر ہے۔ یہ اللہ ہی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ ان کے ان اعمال کے پیچھے کیا داعیہ تھا۔ حقیقی علم تو اللہ ہی رکھتا ہے۔

واللہ.....خبیر (01:75)''جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

یہ ایک ایسا ٹچ اور ایک ایسی چٹکی ہے جس سے دل بیدار ہو جاتے ہیں کہ ظاہری اعمال اپنی جگہ پر ہیں اور دنیا کے فیصلے تو اپنی جگہ پر ہیں لیکن اللہ کے فیصلے اللہ کے علم پر ہوں گے۔ خبردار وہاں وزن اللہ کے پیمانوں سے ہو گا۔

Ayat No 11

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝۱۱

Man zal lazee yuqridul laaha qardan hasanan fa yudaa'ifahoo lahoo wa lahooo ajrun kareem

(57 Al Hadeed Verse 11 الحدید ایت 57)

القرآن ترجمہ تفہیم

کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے، اور اُس کے لیے بہترین اجر ہے 16

Who is it that will give Allah a beautiful loan? A loan that Allah will repay after increasing it many times and grant him a generous reward.

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْحَدِیْد 16

یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ آدمی اگر اس کے بخشے ہوئے مال کو اسی کی راہ میں صرف کرے تو اسے وہ اپنے ذمہ قرض قرار دیتا ہے، بشرطیکہ وہ قرض حسن (اچھا قرض) ہو، یعنی خالص نیت کے ساتھ کسی ذاتی غرض کے بغیر دیا جائے، کسی قسم کی ریاکاری اور شہرت و ناموری کی طلب اس میں شامل نہ ہو، اسے دے کر کسی پر احسان نہ جتایا جائے، اس کا دینے والا صرف اللہ کی رضا کے لیے دے اور اس کے سوا کسی کے اجر اور کسی کی خوشنودی پر نگاہ نہ رکھے۔ اس قرض کے متعلق اللہ کے دو وعدے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس کو کئی بڑھا چڑھا کر واپس دے گا، دوسرے یہ کہ وہ اس پر اپنی طرف سے بہترین اجر بھی عطا فرمائے گا۔

حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور حضور کی زبان مبارک سے لوگوں نے اس کو سنا تو حضرت ابوالدحداح انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ، کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ حضور نے جواب دیا، ہاں، اے ابوالدحداح۔ انہوں نے کہا، ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھایئے۔ آپ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض میں دے دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس باغ میں کھجور کے 600 درخت تھے، اسی میں ان کا گھر تھا، وہیں ان کے بال بچے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا "دحداح کی ماں، نکل آؤ، میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے" وہ بولیں "تم نے نفع کا سودا کیا دحداح کے باپ"، اور اسی وقت اپنا سامان اور اپنے بچے لے کر باغ سے نکل گئیں (ابن ابی حاتم)۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخلص اہل ایمان کا طرز عمل اس وقت کیا تھا، اور اسی سے یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے

کہ وہ کیسا قرض حسن ہے جسے کئی گنا بڑھا کر واپس دینے اور پھر اوپر سے اجر کریم عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

من ذالذی..... المصیر (51)(11:75تا51)

''کون ہے جو اللہ کو قرض دے ؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لئے بہترین اجر ہے۔ اس دن جب کہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) آج بشارت ہے تمہارے لیے جنتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔ اس روز منافق مردوں اور عورتوں کا حال یہ ہو گا کہ وہ مومنوں سے کہیں گے ذرا ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں۔ مگر ان سے کہا جائے گا ''پیچھے ہٹ جاؤ، اپنا نور کہیں اور تلاش کرو۔'' پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا۔ اس دروازے کے اندر رحمت ہو گی اور باہر عذاب۔ وہ مومنوں سے پکار پکار کر کہیں گے ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے''؟ مومن جواب دیں گے۔ ''ہاں، مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا، موقع پرستی کی شک میں پڑے رہے، اور جھوٹی توقعات تمہیں فریب دیتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا، اور آخر وقت تک وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے معاملہ میں دھوکا دیتا رہا۔ لہٰذا آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کھلا کھلا کفر کیا تھا۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے، وہی تمہاری خبر گیری کرنے والی ہے اور یہ بدترین انجام ہے۔''

یہ رب ذوالجلال کی طرف سے ایک زبردست پکار، ایک زبردست موثر اشارہ اللہ اپنے فقیر اور محتاج بندوں سے کہتا ہے۔

من ذالذی.....حسنا (11:75) ”کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض“ تاکہ صرف یہ تصور کہ ایک مسلم فقیر ہے اور اللہ کی طرف ہر وقت محتاج ہے اور رب ذوالجلال اس سے قرض مانگ رہا ہے، اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ اڑ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرے، کیونکہ لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ نفع بخش کاروبار میں سرمایہ لگاتے ہیں۔ لوگ چونکہ فقیر ہیں اور اللہ کو دیا ہوا قرضہ محفوظ ہے، اس کی واپسی یقینی ہے، پھر یہ ان کے لئے ایک باعث عزت بات بھی ہے کہ وہ اللہ کو قرض دے رہے ہیں۔ عموماً لوگ نفع بخش کاروبار میں رقم لگاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو کئی گنا بڑھا کر اسے واپس کرتا ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ لوگ اس کاروبار میں سرمایہ نہ لگائیں۔

اللہ تعالیٰ انک صرف اچھے جذبات تک ہی نہیں لے جاتا بلکہ وعدہ فرماتا ہے کہ اس قرض حسن پر تمہیں کئی گنا اضافہ کر کے دے گا۔ بشرطیکہ وہ قرض حسن ہو اور صرف اللہ کے لئے دیا ہو اور کئی گنا اضافے کے ساتھ پھر اللہ کے ہاں مزید اجر بھی ملے گا۔

فیضعفہ.....کریم (11:75) ”تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لئے بہترین اجر ہے۔“ اور اس اجر کا نقشہ قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر پیش کر کے بنایا جاتا ہے۔ قیامت کے دن یہ اجر دیا جائے گا اور یہ بہت ہی قابل قدر اجر ہو گا۔

یہ منظر قرآن کریم کے مناظر میں سے بالکل ایک نیا منظر ہے۔ اس منظر کی تصویر کشی اس طرح کی گئی ہے کہ اسے حرکت اور مکالمات سے بھرپور انداز میں بالکل ایک زندہ منظر بنا دیا گیا ہے۔ آج جب ہم قرآن کریم کو پڑھتے ہیں تو ہماری نظروں کے سامنے پوری تصویر آجاتی ہے۔ مومنین اور مومنات ہمیں سخت تاریکی میں چلتے نظر آتے ہیں لیکن ان کے سامنے اور ان کے دائیں جانب ہمیں ایک لطیف نور اور چمک نظر آتی ہے۔ یہ نور خود ان اہل ایمان کا نور ایمانی ہے اور یہ ان کے چہروں سے پھوٹ رہا ہے۔ ان مومنین اور مومنات کے اجسام سے

یہ نور پھوٹ رہا ہے اور اس نور کی روشنی میں یہ اس دن کی تاریکی میں آگے بڑھ رہے ہیں، یہ وہی نور ہے جو جاہلیت کے اندھیروں میں اللہ نے ان کو دیا تھا اور اس کی روشنی میں وہ چلتے تھے، اب یہ نور ان کی ارواح کے ذریعہ ان کی خاکی جسم پر غالب آگیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے اجسام کے خاکی اجزا سے یہ نور چمک رہا ہو کہ جدید سائنس کی تحقیقات بھی اسی طرف جاری ہیں کہ مادہ ایٹم سے بنا ہے اور ایٹم دراصل نور اور ''شعاعیں'' ہے۔ یوں گویا یہ نور پھر حقیقی نور ہو گا۔

اب اس منظر میں مومنین اور مومنات کو مبارک سلامت دی جاتی ہے۔

بشرٰکم ..... العظیم (21:75) ''آج ہے خوش خبری تمہارے لیے جنتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔

لیکن مبارک سلامت کے اس منظر پر ابھی یہ ختم نہیں ہے۔ ادھر سے منافقین اور منافقات کا گروہ بھی گرتا پڑتا چلا آرہا ہے۔ یہ حیران و پریشان اور کس مپرسی کی حالت میں ہے، یہ لوگ مومنین اور مومنات کے ساتھ لپٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔